سید نذیر نیازی

کچھ خطبات اقبالؒ کے بارے میں

"اسلامی تعلیم" کے شمارہ بابت جولائی اگست ۱۹۷۵ء میں ہم نے وعدہ کیا تھا کہ جناب سید نذیر نیازی صاحب کی طرف سے خطبات اقبالؒ پر ایک نوٹ وصول ہونے کی توقع ہے جو ملنے پر شائع کر دیا جائے گا جناب نیازی صاحب کی درج ذیل تحریر اسی وعدہ کے ایفا کے ضمن میں ہے۔ (مدیر)

۱۔ خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کا بنیادی مسئلہ ہے RELIGIOUS EXPERIENCE بمقابلہ KNOWLEDGE جس کا سرچشمہ ہیں مدرکات حواس جیسے RELIGION کا بسبب اس کے جسے باعتبار نوعیت INNER EXPERIENCE ہی کہا جائے گا مشاہدات قلب۔ دونوں علم کا ذریعہ ہیں اور اپنے اپنے رنگ میں اس حقیقت نفس الامری پر مرکوز جس کا ہمیں IMMEDIATELY شعور ہوتا ہے جسے ہم کائنات سے تعبیر کرتے اور جس کا ہم خود بھی ایک حصہ ہیں۔ جو طرح طرح سے ہمارے ذہن کو چھیڑتی، ہمیں عمل و تعامل پر مجبور کرتی ہے اور اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس کی کنہ تک پہنچیں، یہ دیکھیں کہ وہ ہے کیا، ہمیں اس سے کیا تعلق ہے، ہمارا رویہ باعتبار اس کے کیا ہونا چاہیے۔ یہ سوال علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ ایک طرح سے علمی سے بڑھ کر عملی۔

۲۔ RELIGIOUS EXPERIENCE ایک کل ہے جس کی نوعیت اخلاقی اور روحانی بھی ہے عقلی اور فکری بھی اس کا حاصل ہے RELIGION اور RELIGIOUS EXPERIENCE اس ماحول سے بے تعلق نہیں رہ سکتا جس میں ہماری آفرینش ہوئی، نہ اس کے تقاضوں اور مصالح سے۔ اس کی

نظر ذات انسانی پر ہے اس کی تقدیر اور مستقبل پر۔ وہ اس باب میں ایک فیصلے کا خواہاں ہے۔
ہم اس فیصلے کو ایمان FAITH سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ F A I T H عقیدہ نہیں بلکہ ایک مؤقف
ایک اساس فکر اور اساس عمل ہے۔

۳۔ بظاہر سمجھنے کو یا اصطلاحاً RELGION کا معاملہ INTUITION کا ہے اور KNOWLEDGE
کا INTELLECT۔ ایک KNOWLEDGE اکتشاف ہے، دوسرا R E L G I O N انکشاف
ایک میں ہم از روئے عقل و فکر حقیقت کی طرف بڑھتے ہیں۔ دوسرے میں وہ از رہِ ضمیر و باطن خود
ہمارے شعور میں در آتی ہے۔ بایں ہمہ نہ INTUITION میں INTELLECT ساقط
رہتا ہے نہ INTELLECT میں INTUITION۔ دونوں میں کوئی نہ کوئی رشتہ قائم
ہے اور دونوں اصلاً شاید ایک۔ لہٰذا RELIGIOUS EXPERIENCE کی نوعیت اگر
INNER اور MYSTICAL ہے تو COGNITIVE اور
RATIONAL بھی۔ اسے PRAGMATIE سے بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا کہ
EMPIRICAL سے۔ بالفاظ دیگر دونوں پر محیط۔

۴۔ RELIGION یا RELIGIONS EXPERIENCE کی یہی کلیت
WHOLENESS ہے جس سے وہ ساری ANTINOMIES اور ساری
DICHOTOMIES جن کا تعلق ہماری حیات ذہنی اور عملی سے ہے بطور ایک وحدت اس
ہمہ گیر، تعمیری اور اصلاحی عمل پر مرکوز ہو جاتی ہیں جو RELIGIOUS LIFE کا نصب العین
ہے۔ جس سے زندگی کی وسعت اور تنوع میں فرق آتا ہے۔ نہ اس کی تخلیقی کارفرمائی میں۔ بلکہ جیسے
عین زندگی با عین فطرت ٹھہرانا چاہیئے۔

۵۔ علم ایک استعداد ذہنی ہے۔ معلوم سے بسعی و کاوش نامعلوم کی طرف بڑھتے رہنے کا مسلسل
اور غیر مختتم عمل۔ اس کے ذرائع عقلی اور حسی ہیں، غیر عقلی اور ماورائے حس بھی۔ علم زندگی ہی کا تقاضا ہے
اور زندگی ہی اس کی صحت اور عدم صحت کی آزمائش۔ وہ اس حقیقت سرمدی کا احاطہ نہیں کر سکتا جو
علم در علم کی شکل میں جزواً جزواً اور بہ تدریج اس کی گرفت میں آتی ہے۔ جس کا اظہار ہمارے اندرون اور
بیرون ذات میں ہو رہا ہے۔ جس کے مظاہر بے شمار ہیں اور شیون لاتعداد۔ جو ہر لحظہ متغیر اور منقلب رہتی

زمان ومکاں کی غیر محدود پہنائیوں میں کارفرما RELIGIOUS EXPERIENCE ہیں
تمام مشہود ہوتی ہمارے شعور میں آجاتی ہے۔ ہم اس سے تمسک پیدا کرتے اس کی لامتناہیت سے
لطف اندوز ہوتے ہیں۔ فلسفہ مجبور ہے اس پر حکم لگاتے۔ KNOWLEDGE مجبور ہے اس بارے
میں کوئی رائے قائم کرے۔ پھر اگر ہم اس EXPERIENCE کو رد کرتے ہیں یا قبول، زندگی کا تقاضا
ہے کہ ہم اس میں کوئی موقف اختیار کریں، مثبت یا منفی اور جسے بالآخر اختیار کرنا پڑتا ہے۔ خواہ
مدرکات حواس، خواہ مشاہدات قلب کی بنا پر ہو لیکن اس موقف کا فیصلہ ہمارے اندرون ذات ہی
میں ہوتا ہے، فیصلہ ذہن ہی صادر کرتا ہے۔

۲۔ لہٰذا RELIGION یا RELIGIOUS EXPERIENCE علم ہی کی ایک شکل
ہے، اس کا بلند ترین مرتبہ اس کے لامتناہی سفر اس کی تحصیل وطلب میں ایک نیا موڑ ایک نئی تمہید جس
میں ہمارے جملہ محسوسات ومدرکات، فکر ووجدان، سب ایک وحدت میں ضم ہو جاتے ہیں نفی کسی
کی نہیں ہوتی۔ ان کی اختلافی حرکت جو بالقوہ اور بالطبع ان میں موجود ہے ان کا رشتہ ایک دوسرے سے
جوڑتی اور مسلسل نشوونما کا سبب بنتی ہے۔ کیا خوب فرمایا مرشد رومی نے

قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش — متصل گرداں بہ دریا ہائے خویش
پیش ازاں کاں باد ہا نسفتش کند — پیش ازاں کاں خاک ہا نسفتش کند

علیم وخبیر تو صرف وہ ذات پاک ہے جس کی مشیت سرتاسر حکمت اور جس کے علم وقدرت کی کوئی
انتہا نہیں، جس کی رحمت خاص نے ہمیں علم سے جو بہرہ عطا کیا اس کی مثال قطرے ہی کی تو ہے اور
اس قطرے کی ہستی جب ہی قائم کہ اس بحر بیکراں یا اس کل سے جس کا وہ ایک جزو ہے بچھڑا نہ رہے
یوں مرشد رومی کی اس دعا سے جہاں اس آرزو کا اظہار ہوتا ہے کہ علم اپنے منصب پر قائم رہتے ہوئے
حقیقت کو پالے وہاں اس ائتلاف SYNTHESIS کی طرف بھی جو خود اس کے اندر موجود
اسے سہارا دے رہا ہے۔ اس RELIGIOUS EXPERIENCE SYNTHESIS
کا ایک ہی سرچشمہ۔

۳۔ لہٰذا اس باب میں یہ بحث کہ فلسفہ کا منہاج اور ہے اور مذہب کا اور، علم وعمل کے تقاضے کچھ اور،
ان کے راستے الگ الگ ہیں بے سود ہے۔ زندگی بجائے خود ایک وحدت ہے اور وحدت کا تقاضا ائتلاف۔

اس ائتلافی وحدت کا اظہار اگرچہ مختلف اور بظاہر الگ الگ پہلوؤں سے ہوتا ہے مگر ان سب کے ڈانڈے بالآخر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ علم کے عمل، فکر کے وجدان سے۔ جوئے حیات فرد ہو معاشرہ یا تہذیب و تمدن سب ایک ائتلافی وحدت، ایک ائتلافی وجود اور پھر سب مل کر ایک برتر ائتلاف ایک بالقوہ وحدت کے خواہاں۔ ورنہ ان کی ہستی ہی قائم نہ رہے۔ یونہی زندگی ان اضداد اور بے ربطیوں سے بچتی ہوئی جو علم و عمل اور عقل و فکر کی جزوی اور گوناگوں کاوشوں میں ہمارا راستہ روکتی اور پریشان رکھتی ہیں آگے بڑھتی ہے۔ اس کا مسلسل نشوونما جاری رہتا، ایک مثبت اور متعین رُخ قائم ہو جاتا ہے اس لئے کہ ان سب کی غائت ایک ہے۔ RELIGIOUS EXPERIENCE اس غائت کے حصول میں ان کا سہارا ان کی ائتلافی وحدت کی اساس۔

۸۔ خطبات اقبال کوئی الہامی کتاب نہیں کہ نقد و تبصرہ سے بالاتر ہو۔ لیکن تنقید اور تنقیص میں فرق ہے یہ بڑی ناانصافی ہے کہ ہم اپنے قصورِ فہم کا اعتراف نہ کریں برعکس اس کے دوسروں کو عجزِ فہم کا مرتکب ٹھہرائیں۔ اسلام کی روح ہے توحید اور توحید ہی نے اس وحدت کے پیشِ نظر جس کا اظہار انسان کائنات اور اس کے ذرّے ذرّے سے ہو رہا ہے زندگی کو اس راستے پر ڈال دیا جس میں علم و عمل ایک دوسرے کا ساتھ دیتے، عقل اور ایمان ایک دوسرے سے ہم آہنگ اپنا اپنا منصب ادا کرتے انتشار و تصادم سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھر اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ دنیائے قدیم ہو یا عصر حاضر اسلام سے باہر جو بھی نظریہ قائم ہوا اس میں زندگی کے کسی ایک پہلو کی نفی ہو گئی یا دوئی اور ثنویت در آئی۔ لہٰذا توحید کی اس بنیادی حقیقت کے فہم میں ہم خطبات اقبال کی بجائے کوئی بھی دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں تو لامحالہ RELIGION یا RELIGIOUS EXPERIENCE ہی اس باب میں ہمارے غور و فکر کا نقطہ ماسکہ ثابت ہوگا۔

۹۔ میں نے ان معروضات میں جابجا انگریزی الفاظ اور مصطلحات استعمال کئے ہیں تاکہ ان کا محمول و مفہوم (از روئے فلسفہ) واضح طور پر سامنے رہے۔